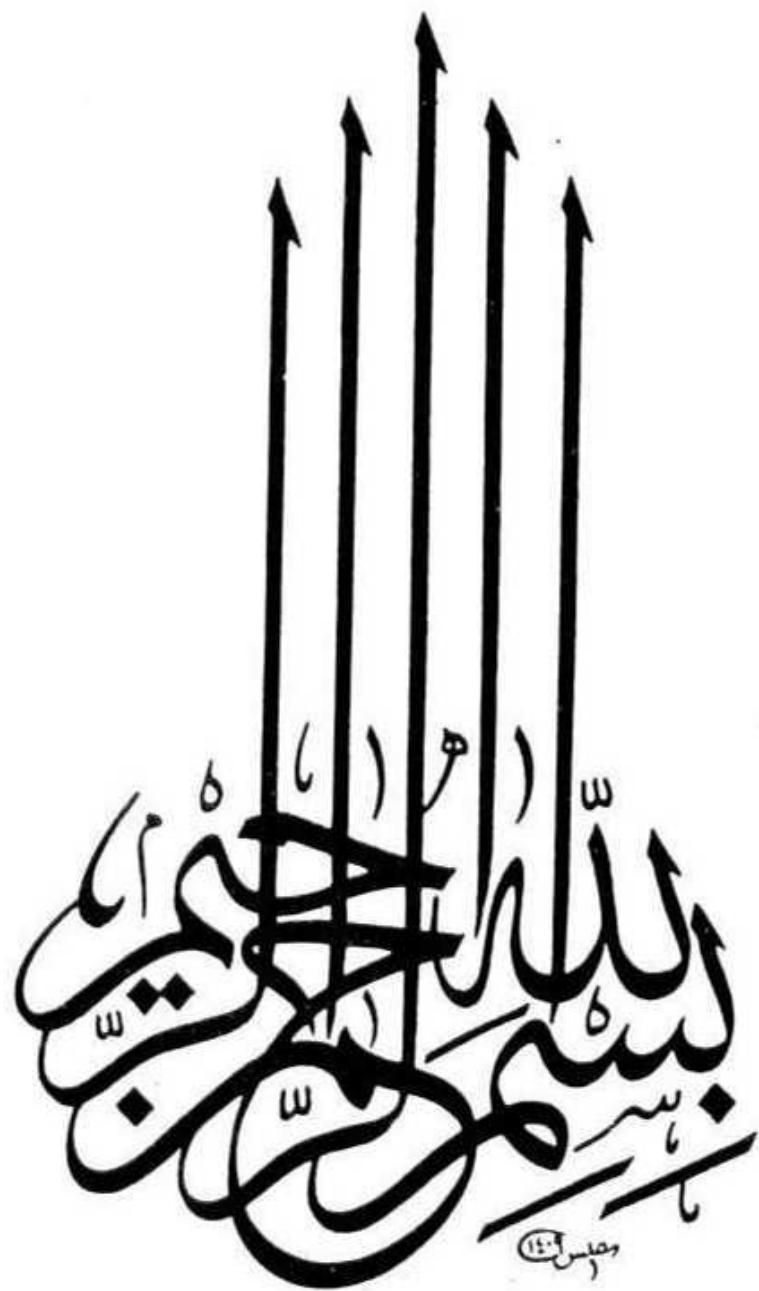


بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



وَعَلَىٰ آثَانِهِ

وَعَلَىٰ آثَانِهِ

## دینی مدارس کی اہمیت

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ، أَمَا بَعْدُ!  
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قُلْ  
هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو  
الْأَلْبَابِ ۝ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَ سَلَّمَ عَلَى  
الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

دو عظیم نعمتیں :

نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں دو نعمتیں لے کر آئے۔ ایک روشن کتاب اور دوسری  
روشن دل، ایک چمکتا ہوا علم اور دوسرا دکتے ہوئے اخلاق، ایک علم کامل اور دوسرا  
عمل کامل۔ قرآن پاک کی وہ آیت جس میں اللہ رب العزت نے انعام یافتہ بندوں کا  
تذکرہ کیا اس میں فرمایا گیا مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ  
وَالصَّالِحِينَ (انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں سے)۔ اس آیت  
مبارکہ کی رو سے انبیاء اور صدیقین کی نسبت علم کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے جبکہ  
شہداء اور صالحین کی نسبت عمل کے ساتھ مضبوط تر ہوتی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ  
کائنات کی تمام سعادتیں اللہ رب العزت نے علم و عمل میں رکھ دی ہیں۔

دور حاضر میں علم و عمل کی تنزلی :

آج کل علم و عمل کی تنزلی کا دور ہے۔ جو مسلمان نماز پڑھ لے وہ اپنے آپ کو

دیندار سمجھتا ہے، جو تہجد پڑھ لے وہ جنید بغدادی، جو حج کر لے وہ اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکیدار اور جو زکوٰۃ ادا کرے وہ گویا اسلام کی رجسٹری کروا لیتا ہے۔ ہم خواہشات کے پجاری بن چکے ہیں۔ آج کے دور کی ایک عام ابتلاء ہے کہ یَلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونَ (اے کاش! ہمیں اتنا ملتا جتنا قارون کو ملا)۔ اقتصادیات نے ہمیں اتنا پریشان کر رکھا ہے کہ جو جس درجے میں ہے آپ اس کی زبان سے شکر کے الفاظ بہت کم سنیں گے۔ ناشکری کے کلمے اکثر آپ کے کانوں میں پڑتے رہیں گے۔

دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑ لگ چکی ہے۔ آج ہم نے اپنی اولادوں کو ایسی تعلیم حاصل کرنے کیلئے سکولوں کی بھٹنی میں جھونک دیا ہے جس سے وہ بڑے ہو کر چار پیسے کمائیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ صبح کے وقت ہزاروں کی تعداد میں بچے اور چچیاں اپنے گھروں سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہم عصری علوم کا حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کو روزی کے حصول میں دقت ہوگی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ہماری اولادوں کو اس سے پہلے ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے جسے اللہ کا دین کہتے ہیں۔ اگر یہ اولاد دین دار نہ بنی اور دنیا میں مے بھی کرتی رہی تو پھر کس کام کی۔ اگر اس نے اللہ کے حکموں کو نہ جانا نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو نہ مانا اور دین سے بے بہرہ رہ کر زندگی گزار لی تو ماں باپ کے لئے دنیا اور آخرت کا بوجھ بنے گی۔

ایک غلط فہمی کی بنیاد :

عجیب بات تو یہ ہے کہ پڑھے لکھے والدین جو دین و دنیا برابر کا نعرہ لگاتے ہیں، وہ اپنی تمام کی تمام اولاد کو عصری علوم پڑھاتے ہیں جبکہ دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے

ہیں۔ یہ فقرہ پھر ذہن نشین کر لیجئے ”پڑھے لکھے والدین اپنی اولادوں کو مروجہ علوم تو پڑھاتے ہیں مگر انہیں دینی علوم پڑھانے سے گھبراتے ہیں“ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی انوکھے انسان بن جائیں گے اور وہ ایسے اعمال اپنائیں گے جو آج کے دور میں قابل عمل نہیں۔ ان انگریزی پڑھے لکھے چوں اور چویوں کا دین کے بارے میں یہ ذہن بنتا چلا جا رہا ہے کہ یہ چودہ سو سال پہلے کی ایک پرانی چیز ہے جبکہ آج نیا دور ہے، نیا زمانہ ہے اور سائنسی تحقیقات ہو چکی ہیں اس لئے معاشرہ بھی نیا ہونا چاہئے۔ یہی غلط فہمی کی بنیاد ہے۔

### دینی علوم ابدی ہیں :

چودہ سو سال پہلے امن و سکون کی زندگی گزارنے کیلئے جو اربل و ضوابط بنائے گئے تھے وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ وہ دنیا کی صداقتیں ہیں، کائنات کی حقیقتیں ہیں، وہ سچائیوں سے بھری ہوئی باتیں ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے میں وہ سچی ثابت ہوں گی۔ انسانیت جب بھی ان سے روگردانی کرے گی وہ ٹھوکریں کھائے گی، ذلتیں اٹھائے گی اور بالآخر ہانپتی کانپتی اسی دروازے پر آئے گی۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی  
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو ہمدہ نواز میں

### عصری علوم ناقص ہیں :

عام سکولوں اور کالجوں میں ان عصری علوم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جبکہ ملیس میں دینی علوم کی انتہائی کمی ہوتی ہے۔ وہ اس کمی کے باوجود اپنے آپ کو ناقص نہیں سمجھتے بلکہ ان مدارس کے طلباء و علماء کو ناقص سمجھتے ہیں جو اپنی زندگیوں کو علوم دین حاصل کرنے کیلئے وقف کر چکے ہیں۔ جن کی زندگی صبح و شام اللہ کا قرآن اور نبی

اکرم ﷺ کا فرمان پڑھتے گزر جاتی ہے وہ ان کو کم نظری سے دیکھتے ہیں۔  
دنیا سے محبت کا نتیجہ :

کیا ہوا جو ان علوم دین کی وجہ سے چار نکلے نہیں کمائے جاسکتے۔ کیا رب کی رضا کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ کیا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں قبولیت کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ ہم اس قدر Money Oriented (زر پرست) ہو چکے ہیں، دنیا ہمارے دماغوں پر اس قدر مسلط ہو چکی ہے کہ جن علوم سے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نصیب ہوتی ہے، دنیا اور آخرت کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں ان علوم کو ہم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جن علوم سے فقط دو وقت کی روٹی ملے گی ان علوم کو ہم بڑی عزت و اکرام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی پوری زندگی ان کے حصول میں گزار دیتے ہیں۔ کالجوں کے کتنے بچے ہیں جو ماسٹرز کی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں، آپ ان سے نماز کے مسائل معلوم کر لیجئے وہ آپ کو دین سے بالکل نااہل اور نا آشنا نظر آئیں گے۔ یہ دنیا سے محبت کا نتیجہ ہے۔

پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی زیوں حالی :

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر صاحب کے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک عالم دین سے کہا کہ آپ نے جنازہ پڑھانا ہے۔ جنازے کے بعد اس پی ایچ ڈی ڈاکٹر نے زارو قطار رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے تسلی دی کہ اس طرح کا صدمہ ہر آدمی کو پیش آتا ہے اس لئے آپ کو بھی صبر کرنا چاہئے۔ مگر وہ مسلسل روتا رہا۔ بالآخر عالم دین نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اتنا رورہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اس بات پر نہیں رورہا کہ والد فوت ہو گئے، ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے۔ میں تو اس بات پر رورہا ہوں کہ میرے اس والد نے مجھے اتنی دنیاوی تعلیم دلوائی کہ میں پی ایچ

ڈی ڈاکٹر بن گیا مگر مجھے دین سے اتنا بے بہرہ رکھا میرے والد کی میت میرے سامنے پڑی تھی اور مجھے نماز جنازہ بھی نہیں آتی تھی۔

### دنیاوی سوچ کے تاثرات :

دین سے اس قدر دوری کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ دینی اور سائنسی علوم حاصل کرنے والوں کے درمیان یہ خلیج کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلباء میں ایک عام تاثر یہ بنتا جا رہا ہے کہ مدارس والے کچھ نہیں کرتے، دقیانوس ہوتے ہیں، پرانے دماغ کے لوگ ہوتے ہیں، پرانی پرانی کتابیں پڑھتے ہیں۔

اور دوسرا تصور یہ بنتا چلا جا رہا ہے کہ علماء کو سائنسی علوم پڑھنے چاہئیں۔ حالانکہ یہ بات تو اہل علم حضرات کے کہنے کی ہے کہ آج دنیاوی علوم پڑھنے والوں کو دین پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ علماء کی تعداد کو دیکھیں تو آپ کو پوری آبادی میں 5% بھی نظر نہیں آئیں گے۔ جبکہ دنیاوی علوم حاصل کرنے والے 95% ہونگے۔ جو 95% ہیں وہ تو پہلے ہی سو فیصد زندگی ان علوم پر وقف کر چکے ہیں۔ ہم یہ سوچتے ہیں اگر باقی 5% لوگ بھی سائنسی علوم حاصل کر لیتے تو ہماری قوم فلاح پالیتی اور ہم ترقی یافتہ بن جاتے۔ ہماری یہ سوچ 100% غلط ہے۔ قلب و نظر جب سقیم ہوتے ہیں تو پھر انسان اس قسم کی سوچ سوچتا ہے۔

### صحیح نقطہء نظر :

ہمیں اس بات کو دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے کہ جو 5 فیصد طلباء قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں وہ اس امت کے محسن ہیں جو ان کی علمی پیاس مچاتے ہیں۔ جب لوگوں کو مسائل کا جواب پوچھنے کی

ضرورت ہوتی ہے، اس وقت یہی 5 فیصد ہی تو ہوتے ہیں جو ان کے علمی بوجھ کو اپنے سر پر لیتے ہیں، جو ان کو قدم قدم پر بتاتے ہیں کہ تمہیں اللہ کی رضا اس میں ملے گی۔ درحقیقت ہمیں بات اس طرح کرنی چاہئے کہ آج ان سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے جتنے طلباء ہیں جہاں یہ سائنس کے مضامین پڑھتے ہیں وہاں کیا دین کا مضمون نہیں پڑھ سکتے۔ اگر شروع سے آخر تک یہ دین کی تعلیم ساتھ ساتھ پاتے رہیں تو جہاں اچھے سائنس دان بن کر نکلیں گے وہاں اچھے مسلمان بھی بن کر نکل سکتے ہیں۔ ہمارا یہ ذہن قوم کا سرمایہ ہے جس کو آج **Intelegentia of Nation** کہتے ہیں آج سارے کا سارا زور مادے کی تحقیق پر لگ رہا ہے روحانیت پر اس کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ آخرت کیلئے اس پر کوئی محنت نہیں ہو رہی۔

### آج کا عنوان :

آج کی اس محفل میں ہمارے سامنے وہ بچے بیٹھے ہیں جنہوں نے حدیث و تفسیر کا علم حاصل کیا یا قرآن پاک حفظ کیا۔ اسی نسبت سے ان بچوں کے ذہنوں میں دینی تعلیم کی اہمیت اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حق واضح ہو، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو۔ ہمیں پتہ چل جائے کہ جو لوگ دین پڑھ رہے ہیں حقیقت میں وہی انسانیت کے محسن ہیں۔ وہ ایک بلند و بالا مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔

### دنیاوی مال کی بے ثباتی :

عصری علوم حاصل کرنے والے دنیا کا کر اپنی دنیاوی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ آخرت کی ضرورتیں تو دنیا کے پیسے سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اگر انہوں نے مال کما بھی لیا تو اس مال سے وہ زندگی کی ہر ضرورت تو پوری نہیں کر سکتے۔ مال سے آپ عینک تو خرید سکتے ہیں پینائی تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کتابیں تو خرید سکتے ہیں

علم تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے نرم بستر تو خرید سکتے ہیں میٹھی نیند تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اپنے لئے دوائیں تو خرید سکتے ہیں مگر اچھی صحت تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ اچھا لباس تو خرید سکتے ہیں مگر حسن و جمال تو نہیں خرید سکتے، مال سے آپ کسی کی خوشامد تو کر سکتے ہیں مگر دل کی محبت تو نہیں خرید سکتیاور مال سے آپ خضاب تو خرید سکتے ہیں مگر شباب نہیں خرید سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ مال سے ہر کام نہیں ہو سکتا۔

مال اور علم کا موازنہ :

بھلا مال اور علم کا کیا مقابلہ۔ مال کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ گھٹتی چلی جاتی ہے اور علم کی قیمت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مال کی حفاظت تجھے کرنا پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کیا کرتا ہے۔ مال فرعون و قارون کی میراث ہے اور علم انبیائے کرام کی میراث ہے۔ مال کے بڑھنے سے حاسد بڑھتے ہیں اور علم کے بڑھنے سے معتقدین بڑھتے ہیں۔ مال سے علم حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے جبکہ علم سے مال حاصل کیا جاسکتا ہے۔ روز محشر مال کھانے کا حساب ہوگا علم حاصل کرنے کا حساب نہ ہوگا۔ علم تو آسمان کی مانند ہے دنیا کا مال زمین کی مانند ہے۔ کثرت مال کی وجہ سے فرعون نے اَنَارِبُكُمْ اِلَّا عَلٰی کہا اور کثرت علم کی وجہ سے پروردگار عالم کے محبوب ﷺ نے کہا مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہا۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

مقصد زندگی :

ہمارے انگریزی پڑھے لکھے نوجوانوں کو اپنے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا



لینی چاہئے کہ دنیا کا علم حاصل کرنا ہماری زندگی کی ضرورت ہے، زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ مقصد زندگی تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا اور اس کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ چیز دینی علوم کے بغیر آپ کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ دنیا میں پی ایچ ڈی کر لیں، نوبل پرائز Win (حاصل) کر لیں مگر اللہ کی رضا والے اعمال کرنے کیلئے پھر بھی انہی علماء کی جھونپڑیوں میں آپ کو آنا پڑے گا۔ انہی کی چٹائیوں پر آپ کو دوڑانا ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔ تب آپ کو یہ علوم حاصل ہوں گے اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ ان علوم کے بغیر ہم اچھی زندگی گزار لیں گے کیونکہ ہمیں اچھا کھانا ملتا ہے یا کار کو ٹھی بھی موجود ہے تو پھر ہم یہی کہیں گے ذَلِك مُبَلَّغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ میاں تمہارے علم کی حد یہیں تک تھی کہ تم نے اپنے آپ کو دنیا کے لئے وقف کر لیا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ اسی کو تو بڑا خسارہ کہتے ہیں۔ عقلمند انسان کی پہچان یہی ہے کہ وہ ضرورت کو بقدر ضرورت پورا کیا کرتا ہے مگر مقصد کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ معاشرے کے 95% لوگ جو فقط انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ بہت اچھا کر رہے ہیں اور وہ 5% لوگ جو صبح و شام دین کا علم حاصل کر رہے ہیں ان کو بھی سائنس پڑھنے کی ضرورت ہے تو یہ عقلمندی کی بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر طلباء کی ساری زندگی سکولوں اور کالجوں میں گزر گئی تو وہ علم و ادب کیسے حاصل کریں گے۔ وہ ان اعمال سے بالکل محروم رہیں گے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے۔ اسی کو اکبر نے کہا:

انہوں نے دیں کہاں سیکھا بھلا جا جا کے مکتب میں

پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

کتنی زندگیاں ہیں جو سکولوں اور کالجوں کے طواف کرتے گزر جاتی ہیں اور جب

فارغ ہوتے ہیں تو صاحب (اسفر) کے دفتر میں زندگی نبھ جاتی ہے۔

قوم کے محسن :-

میرے دوستو! ذرا دوسرے انداز سے بھی دیکھ لیجئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ جو علم لے کر آئے کیا اس کی اتنی بھی قیمت نہیں ہے کہ آپ اس کو اہم سمجھیں؟ ہمیں چاہئے کہ ہم آج کے بعد سے یہ کہنا شروع کر دیں کہ وہ 5% جنہوں نے اپنی سو فیصد زندگی علم حاصل کرنے کیلئے وقف کر دی ہے وہی قوم کے محسن ہیں۔ قوم کے سروں پر یہ علمی سایہ ہیں۔ قوم جب ٹھو کر یں کھائے گی تو منزل کی نشانی یہی بتائیں گے، جب قوم راستہ بھولے گی تو انگلی پکڑ کر منزل پر یہی پہنچائیں گے، جب قوم ناامید ہونے لگ جائے گی تو ان کو رب کی رحمت کی امید بھی یہی لوگ دلائیں گے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی :

اس محفل میں جن علمائے کرام نے آپ کے سامنے اپنے سروں پر دستار فضیلت بدھوائی اور اپنے ہاتھوں میں انعام کے طور پر قرآن مجید کے نسخے اور حدیث کی کتابیں وصول کیں۔ آئیے ذرا جائزہ لیں کہ ان علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ان چٹائیوں پر بیٹھنے والے، معمولی کپڑے پہننے والے، معمولی کھانوں پر اکتفا کرنے والے، تھوڑی دنیا پر کفایت کرنے والے رہبر و رہنما ہستیوں کی داستانِ محبت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ رُبُّوهُمُ وَالرُّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ جَمْعُ هِمٌّ كَقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّنْهُم بَصِيرَةٌ وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ جَمْعُ هِمٌّ كَقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّنْهُم بَصِيرَةٌ

اور صلحاء دونوں کا اللہ رب العزت قرآن پاک میں تذکرہ فرماتے ہیں اور ان کی ذمہ داریاں ارشاد فرماتے ہیں کہ بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِتَابٌ كَرِيمٌ

کتاب کی حفاظت کرتے ہیں۔ گویا ان کا مقصد اور منصب دنیا کے اندر قرآن کی ایک

ایک آیت کے اوپر ڈیرے ڈالنا ہے، نبی اکرم ﷺ کی ایک ایک حدیث کے اوپر جھگیاں ڈال دینا اور ان کی حفاظت کرنا ہے تاکہ ان میں کوئی تبدیلی نہ آسکے اور آنے والی نسل تک دین اسی طرح پہنچے جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا۔ اسی لئے تو ان کو وارث انبیاء کہا گیا ہے۔

### اللہ تعالیٰ کی فوج :

آپ سوچتے ہوں گے کہ قرآن پاک کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے پھر علماء پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری کیوں لگائی؟ جی ہاں، قرآن پاک کی حفاظت تو پروردگار عالم نے اپنے ذمہ لی ہے لیکن اس نے اپنی فوج تیار کی ہوئی ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ یہ کہے کہ میں اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سرحد پر جا کر راتوں کو خود پہرہ دے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ ایک فوج بناتا ہے اور اس فوج کا ہر آدمی اس کی نگاہ میں بڑا عزت والا ہوتا ہے، ان کی تنخواہیں اچھی، ان کا لباس اچھا، ان کی صحتیں اچھی، ان کا وقار اعلیٰ، ان کو بادشاہ عزیز رکھتا ہے کیونکہ وہ بڑے مقصد کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب پروردگار نے اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تو اس کیلئے اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کی فوج تیار کی، ان کو علماء کہتے ہیں۔ ان کو حفاظت کہتے ہیں۔ علماء نے علم نبوی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور حفاظت نے قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ لہذا دین پوری طرح آج ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کو محفوظ علم کہا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی اس فوج کو حزب اللہ کہا ہے۔ ان علماء اور صلحاء کو اللہ رب العزت نے خوشخبریاں دیں **إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** جان لو کہ اللہ کی جماعت اور اللہ کی فوج ہمیشہ فلاح پاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرمؐ کے علم و عمل کی محافظ :

صحابہ کرامؓ کی جماعت نبی اکرمؐ کے علم و عمل کی وارث تھی۔ اگر ان کی زندگیوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایک سنت کے عاشق تھے۔ اس عشق کے رنگ میں انہوں نے نبی اکرمؐ کی اداؤں کی حفاظت کی۔ انہوں نے نبی اکرمؐ کی اداؤں کی اتباع کی۔ یہ اتباع اتنی کامل تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو چند واقعات سے ہو جائے گا۔

### مثال نمبر 1 :-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ ایک محفل میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا۔ باہر سے ایک آدمی آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساری محفل کے سب لوگ ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لباس ایک جیسے، وضع قطع ایک جیسی، ان کی گفتار ایک جیسی، ان کے چہرے پر اثرات اتنے عجیب اور ایک جیسے تھے کہ وہ پہچان نہ سکا۔ بالآخر اسے پوچھنا پڑا کہ تم میں سے اللہ کے نبیؐ کون ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ نقل اصل کے کتنا قریب ہوگی، جنہوں نے اتباع کی وہ تابع اپنے متبوع کے کتنا قریب ہو چکے ہوں گے، کہ باہر سے آنے والوں کو آقا اور غلام کے فرق کا پتہ نہ چلا۔ تابع اور متبوع کے فرق کا اندازہ نہ ہوا۔ حقیقت میں غلام ایسے تھے جو اپنی گفتار میں، رفتار میں، کردار میں، حتیٰ کہ ایک ایک عمل میں آقاؐ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔

### مثال نمبر 2 :

صحابہ کرامؓ نے سنت نبویؐ کی اس قدر اتباع کی کہ ایک مرتبہ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ حج کے سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک جگہ اپنی سواری کو روک لیا، نیچے اترے اور ایک جگہ پر جا کر تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ پھر واپس آئے اور اپنی سواری کو لے کر چل پڑے۔ رفیق سفر نے پوچھا، جناب یہ سواری کو ٹھہرانے اور وہاں جا کر بیٹھنے کا مقصد کیا تھا؟ کہنے لگے، میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ میرے آقا ﷺ یہاں قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آگے چل پڑے تھے۔ اب جب میں گزر رہا تھا تو اس جگہ سے میرے قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ میرے دل نے چاہا کہ میرے محبوب ﷺ نے یہاں ایک عمل کیا تھا، اگرچہ مجھے اس وقت اس عمل کی حاجت نہیں مگر اپنے آقا ﷺ کے عمل کی اس وقت جتنی اتباع کر سکوں اتنی تو کر کے دکھاؤں۔ میں وہاں اسی طرح جا کر بیٹھا جس طرح میرے آقا ﷺ بیٹھے تھے۔ میں تھوڑی دیر تو رکھا مگر مجھے اپنے آقا ﷺ کی ایک سنت پر عمل کی توفیق تو نصیب ہو گئی۔

### مثال نمبر 3 :-

ایک صحابیؓ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ رنگ کے کالے اور شکل کے انوکھے تھے۔ ان کے سر کے بال چھوٹے بھی تھے اور گھنگھریالے بھی۔ ان بالوں میں مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سر کے درمیان میں مانگ نکالی ہوتی تھی۔ یہ آپ ﷺ کا سر مبارک دیکھتے تو سوچتے کہ وہ سر ہی کس کام کا جو اپنے آقا ﷺ کے مبارک سر سے مشابہت نہ پاسکے۔ ہر وقت یہی تمننا رہتی اور اس کیلئے دعائیں مانگتے رہتے تھے کہ اے اللہ! کبھی ایسا بھی ہو کہ میں کنگھی کروں تو میرے سر کے درمیان سے مانگ نکل آئے اور میرے سر کو میرے آقا ﷺ کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے۔ اسی غم میں تڑپتے رہتے تھے۔

بالآخر آقا ﷺ کی محبت ایسی غالب آئی کہ ایک دن غسل کر کے نکلے اور آئینے میں چہرہ دیکھا مگر سر کے اوپر سیدھی مانگ نہ نکل سکی۔ دل میں خیال آیا کہ یہ سر بھلا کس کام کا۔ چنانچہ لوہے کی ایک سلاخ پڑی تھی، اسے اٹھالیا۔ گھر میں آگ جل رہی تھی۔ اس آگ میں اس کو گرم کیا۔ اس کے بعد اس کو اپنے سر کے بالکل وسط میں پھیر دیا جس سے جلد بھی جلی بال بھی جلے اور جلنے کی وجہ سے ایک لکیر بن گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا کہ تکلیف تو مجھے بھول جائے گی مگر میرا سر تو آئندہ میرے محبوب ﷺ کے سر مبارک کے مشابہ بن جائے گا۔

#### مثال نمبر 4 :-

مشہور روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فارس تشریف لے گئے۔ دعوت کھانے کے لئے بیٹھے۔ ان سے ایک لقمہ نیچے گر گیا۔ انہوں نے اس لقمہ کو اٹھایا اور صاف کر کے کھالیا۔ بعض لوگوں نے کہا یہاں کے امراء اس عادت کو ناپسند کرتے ہیں، آپ یہ لقمہ اٹھا کر نہ کھاتے۔ فرمانے لگے، ءَاَتْرُكُ سُنَّتَ حَبِیْبِیْ لِهَثُوْلَاءِ الْحُمْقَاءِ کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے آقا اور محبوب ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔ سوچئے تو سہی کہ صحابہ کرامؓ نے ایک ایک سنت پر کتنی محبت سے عمل کیا۔ وہ علم کے بھی وارث بنے، عمل کے بھی وارث بنے، احوال کے بھی وارث بنے، آپ ﷺ کی ظاہری اداؤں کے بھی وارث بنے۔ اسی طرح یہ علم صحابہ کرامؓ سے امت تک آگے پہنچا جس طرح میرے آقا ﷺ دنیا میں اس کو دے گئے تھے۔

#### تابعین اور حفاظت دین :

ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے بھی اس علم و عمل کو اسی طرح آگے پہنچایا

جس طرح انہوں نے اوپر سے پایا تھا۔ حتیٰ کہ اگر حکام نے اس میں اپنی مرضی کے فتوے مانگنے بھی چاہے تو ان علماء نے جانیں تو دے دیں مگر دین کے اندر کسی غیر اسلامی چیز کو شامل نہ ہونے دیا۔ یہی توجہ ہے کہ امام اعظمؒ جو دنیا کے امام کہلاتے ہیں، ان کا جنازہ بھی جیل سے نکلا۔ امام احمد بن حنبلؒ کو 100 کوڑے مارے گئے۔ ابن تیمیہؒ کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ امام سرخسیؒ کو کنویں میں قید ہونا پڑا۔ امام بخاریؒ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ یہ عشق و وفا کی داستانیں اس تھوڑے سے وقت میں کیسے بیان کریں۔ آئیے ہم اپنے قریب کے دور کی بات کرتے ہیں۔

### علماء ہند کا شاندار ماضی

علمائے ہند کا دور امت مسلمہ کا شاندار ماضی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہنشاہ جہانگیر سے ٹکڑ:

یہ دور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ ہندوستان کے شہر سرہند میں پیدا ہوئے۔ ان کے دور میں اکبر نے دین کی پٹی کو مسخ کر دیا تھا۔ دین الہی کے نام سے ایک نیا دین دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا، جو بدعات و رسومات کا ملغوبہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اکبر کے بیٹے جہانگیر نے اپنی طاقت کے نشے میں آکر علماء کو لکھا کہ مجھے فتویٰ دو کہ بادشاہ کو سجدہ تعظیسی کرنا جائز ہے۔ جب لوگوں کے سامنے جیلوں کے دروازے کھل چکے تھے، جب ان کو درڑے نظر آرہے تھے، کھالیں پیٹھ سے اترتی نظر آرہی تھیں، اس وقت کچھ ربانین ایسے تھے، کچھ احبار ایسے تھے جنہوں نے جان کی پروا تک نہ کی۔ اس لئے کہ ان کا فرض منصبی دین کی حفاظت تھا۔ انہوں نے کہا:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی  
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ سجدہء تعظیمی حرام ہے، قطعاً جائز نہیں۔ اس کلمہء حق کی وجہ سے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ آپ کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ آپ نے پابند سلاسل رہنا تو قبول کر لیا مگر اس کی غلط بات کے آگے جھکے نہیں کیونکہ ان کو رب کے سوا کسی کے آگے جھکنا نہیں آتا تھا۔ وہ ساری زندگی رب کے سامنے پیشانیاں جھکانے والے بھلا مخلوق کے سامنے کیسے جھک سکتے تھے۔ بالآخر ان کی استقامت کی بدولت اللہ رب العزت نے ایک وقت وہ بھی دکھلایا کہ جب جہانگیر بادشاہ کو جھکنا پڑا۔ سب امیر اس فقیر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، جو آپ کہیں گے آج ہم وہی کریں گے۔ چنانچہ بدعتوں کو ختم کر دیا گیا، رسومات کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اس کی جگہ نبی اکرم ﷺ کی سنت گور واج دیا گیا۔ اسی وجہ سے ان کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کہتے ہیں۔

خاندان شاہ عبدالرحیمؒ اور حفاظت دین :-

پھر ان کے بعد ایک اور فرد فرید شاہ عبدالرحیمؒ عرب سے آکر انڈیا میں آباد ہوئے۔ آپ اپنے جد امجد کا یہ ورثہ اور نعمت بھی ساتھ لے کر آئے۔ پھر اللہ رب العزت نے ان کو ایک بیٹا دیا جو ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خاندان ولی اللہی اللہ رب العزت کا چنا ہوا خاندان ثابت ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے دہلی میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کی خدمت کی علوم دینیہ کو دنیا میں عام کیا۔

ایک وقت وہ بھی آیا جب حاکم وقت نے ان کے ساتھ بھی ٹکری۔ ان حضرات



نے مصائب و تکالیف تو برداشت کر لیں مگر دین کے اندر کوئی چیز شامل نہ ہونے دی۔ بالآخر شاہ ولی اللہ کے آخری عمر میں ہاتھوں کے پہنچے اتروادیئے گئے، انگلیوں کو توڑ دیا گیا اور دونوں ہاتھوں سے معذور کر دیا گیا۔ جس شخص کے ہاتھوں قرآن و حدیث کی اتنی خدمت ہوئی تھی، طاقت کے نشے میں آکر دنیا کے حکمرانوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ ان علمائے حق نے قربانیاں تو پیش کر دیں مگر دین کے اندر کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہونے دی اگر اس وقت ان حکمرانوں کا بس چل جاتا تو معلوم نہیں کہ آج دین ہمیں کس حال میں ملتا۔ اگر ان حکمرانوں کے اپنے قلم کی بات ہوتی تو معلوم نہیں کہ ان کا قلم قرآن و حدیث کے حروف کو کس طرح بدل چکا ہوتا۔ یہ رب کریم کی رحمت ہے کہ اس نے دین کی حفاظت و وقت کے حکمرانوں کے ذمہ نہیں ڈالی، ورنہ یہ تو پیتل کو سونا بنا کر دکھا دیتے۔ تاریخ کو دیکھو کہ جبہ و دستار نے جن علاقوں کو فتح کیا تھا کوٹ پتلون نے انہی علاقوں کو واپس دے دیا۔

انڈیا میں انگریز کا تسلط :-

ایک وقت وہ بھی آیا جب پاک و ہند میں انگریز نے اپنا تسلط جمایا۔ پھر جب انگریز نے دیکھا کہ میں نے دنیا کا مال و دولت تو سمیٹ لیا اب ان کو علمی وراثت سے بھی محروم کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے اوقاف کی تمام عمارات کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ فقط دہلی کے اندر 600 مدارس بند ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں ان کی گردن دبا دوں گا۔ اس نے کوئی بڑا مدرسہ نہ چلنے دیا۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد :

ان ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دیوبند کے ایک غیر معروف مقام پر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اس

دارالعلوم نے دن دو گنی رات چو گنی ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ وہ دارالعلوم اب دنیا کی ایک عظیم یونیورسٹی بن چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سپوت :-

اس یونیورسٹی سے ایسے بڑے بڑے علماء اور مجاہدین نکلے جنہوں نے کہا کہ آزادی ہمارا حق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہمیں واپس دیا جائے۔ یہی دارالعلوم ہی تو تھا جس نے امت کو انگریز کی غلامی سے بچایا۔ اگر یہ علماء سینہ تان کر مقابلہ نہ کرتے تو فرنگی تہذیب میں اس قدر چمک اور جاذبیت تھی کہ ہمارے سارے سارے نوجوان اسی رو میں بہہ کر فرنگی تہذیب کے دلدادہ بن جاتے۔ ان کا بیٹھنا اٹھنا کچھ اور ہوتا، ان کی صبح و شام کے لمحات کسی اور انداز سے بسر ہوتے مگر قربان جائیں کہ علمائے دیوبند کے سپوتوں نے ان حالات میں بھی دین کو سینے سے لگائے رکھا اور دنیا کو بتا دیا کہ، ہم نے دین کیلئے زندگیاں قربان کر دینی ہیں۔ لہذا ایک ایسا وقت بھی آیا جب انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا۔ کہیں شاملی کے میدان میں حافظ ضامن شہید اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہیں، کہیں محمود حسن مالٹا کے اندر جیلوں میں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ان حضرات کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی تھیں مگر ان کی زبان پر اللہ کا قرآن ہوتا تھا۔ یہ جیلوں سے نکلتے تھے تو کوئی تفسیر لکھ کر نکلتا تھا اور کوئی قرآن کا حافظ بن کر نکلتا تھا۔ علمائے ہند کا یہ شاندار ماضی اپنے اندر اتنی وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے کہ ایک محفل میں اس کی تفصیل نہیں بتائی جاسکتی۔

ترانہ دارالعلوم دیوبند :

یہی تو ایک عزیز طالب علم پڑھ رہے تھے :

یہ علم و ہنر کا گوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے  
 ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے  
 کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں  
 اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں  
 عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل  
 آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل  
 یہ علم و ہنر کا گوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے  
 ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

مسجدیں نوحہ کر رہی ہیں :-

آج اندلس کی داستانیں آپ کے سامنے ہیں۔ آج ذرا قرطبہ کی جامع مسجد میں  
 جا کر دیکھ لیجئے۔ ان علماء کی قدر تو آپ کو تب آئے گی جب باہر ملک کے علماء کی  
 حالت زار آپ جا کر دیکھیں گے۔ ان کے ظاہر کو دیکھیں تو آپ کو ان کے چہرے پر  
 سنت نبوی ﷺ نظر نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء بھی وہیں کے ماحول  
 میں ڈھل گئے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اسلاف کو جنہوں نے ہر  
 دور کے اندر ہر فتنے کے سامنے بند باندھا اور سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ مصر اور ترکی جو  
 آج بڑے بڑے اسلامی ملک سمجھے جاتے ہیں ذرا ان کی مساجد کا حال دیکھئے کہ جس مسجد  
 میں 1000 آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں وہاں ظہر عصر کی نمازوں میں مشکل سے تین آدمی  
 بھی پورے نہیں ہوتے۔ وہ مسجدیں آج نوحہ کر رہی ہیں۔

انگریزی خواں طبقہ کی زبوں حالی :-

آپ دیکھئے تو سہی کہ ہمارا انگریزی خواں طبقہ دین سے کس قدر نابلد ہے۔ جو

لوگ صبح و شام انگریزی پڑھنے میں مست ہیں ان کو عربی کے دو لفظ پڑھنے نہیں آتے۔ کوئی پی ایچ ڈی ڈاکٹر کبھی آپ کے سامنے اذان دے تو ذرا سنا کیجئے کہ اس کی اذان کتنی عجیب ہوتی ہے۔ کبھی آپ اسے کہہ دیں کہ آپ تو پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں ذرا اقامت تو کہہ دیجئے۔ کہیں گے جی ہمیں تو اقامت کہنا نہیں آتی۔ انہیں نماز پڑھانی نہیں آتی، پڑھنی نہیں آتی، نماز جنازہ کا پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ہے، مسائل کا پتہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دین سے بالکل نابلد ہو کر ان کی زندگی گزر رہی ہوتی ہے۔ اگر ان جیسے لوگوں کے ذمے ہوتا کہ تم نے کمیونزم اور سوشلزم کے سیلاب کا مقابلہ کرنا ہے تو یہ تو کشتی ہی ڈبو دیتے کیونکہ یہ تو اپنے پاؤں پر بھی کھڑے ہونے کے قابل نہ تھے۔

علمائے ربانین کی دین پر استقامت :-

یہ علمائے ربانین ہی تھے جنہوں نے ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ میں سلام پیش کرتا ہوں وسط ایشیا کے ان علماء کو جنہوں نے 70 سال ظلم کی چکی کے اندر پینا تو برداشت کر لیا مگر دین کو اپنے سینوں سے جدا نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ جب ظلم کی آندھی چھٹی، ظلم کے سائے گھٹ گئے تو اس وقت یہ علمائے دین اسی دین کو سینے سے لگا کر پھر کھڑے ہو گئے۔ آج وہاں کے عوام الناس پھر دین کو اپنی زندگیوں میں لاگو کر رہے ہیں۔

وسط ایشیا کا علمی قرض :-

یہی طلباء ہیں جن کے آباؤ اجداد نے ہم تک دین پہنچایا۔ اور آج انہی کی یہ اولادیں ان ملکوں میں تحصیل علم کے لئے آرہی ہیں۔ کوئی سعودی عرب پہنچ رہا ہے، کوئی پاکستان پہنچ رہا ہے۔ کوئی انڈیا میں دارالعلوم دیوبند جا رہا ہے۔ یہ خاری و مسلم کے روحانی بیٹے ہمارے ان علاقوں میں قرآن و حدیث کا علم پانے کے لئے آرہے

ہیں۔ یہ ہمارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ان مدارس کا تعاون کرتے ہیں کتنی سعادت ہے کہ ہمارے علماء کی وجہ سے وہاں کے روحانی فرزند یہاں سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کر کے واپس جا رہے ہیں۔ ارے! آپ نے تو کمیونزم اور سوشلزم کے سامنے کچھ نہ کیا، یہی علماء ہیں جو ان کا قرض لوٹا رہے ہیں۔ قرض ان کے آباء اجداد کا تھا جن کی حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھ کر ہم عالم بنے۔ آج ہم ان کی اولادوں کو یہ قرض لوٹا رہے ہیں۔ اللہ رب العزت نے فیصل آباد کے ان علماء کو سعادت بخشی ہے کہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر وسط ایشیاء کے طلباء نے قرآن و حدیث کی تعلیم مکمل کی۔

بچوں کی تربیت کا انگریزی طریقہ :-

اس کے برعکس اگر انگریزی خواں طبقہ کی بات ہوتی تو یہ بچارے تو خود سر سے لے کر پاؤں تک انگریزی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اتنا تو ”گورے انگریز“ بھی انگریزی کو پسند نہیں کرتے جتنا یہ ”کالے انگریز“ انگریزی کو پسند کرتے ہیں۔ لہذا ان کے گھر میں چہ پیدا ہو تو یہ اس کو عربی یاد نہیں کرائیں گے بلکہ وہ انہیں

**Twinkle, Twinkle, little star !**

**How I wonder what you are,**

یاد کرائیں گے۔ ایک صاحب انگریزی کے بارے میں بڑا عجیب شعر پڑھا کرتے

ہیں۔ فرماتے ہیں

سنا ہے کہ وہاں ہوگی بولی عرب کی

مگر ہم نے سیکھی ہے انگلش غضب کی

آخرت میں تو عربی بولی جائے گی اور عربی ہی کام آئے گی مگر یہاں ہمارے بچے

غضب کی انگلیں سیٹھ رہے ہیں۔ لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ اردو میں بھی بات کر سکتے ہیں مگر پھر بھی انگلیں میں بات کرنا اور انگلیں استعمال کرنا بڑی عزت کی بات سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امی کیلئے "ماما" باپ کیلئے "ڈیڈی" اور بیٹی کیلئے "ٹیڈی" یعنی ہر وقت "ریڈی"۔ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ عام روزمرہ زندگی میں ان کی بول چال دیکھ لیجئے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ عربی پڑھ کر ذرا سنا دیجئے تو وہ قرآن پاک کی آیت ٹھیک نہیں پڑھ سکیں گے جب کہ انگریزی فر فر بولیں گے۔

لمحہء فکر یہ :-

ہر ماں باپ چاہے گا کہ بچوں کو انگریزی سکول میں داخل کروایا جائے۔ ٹھیک ہے ضرور داخل کروائیں مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ زندگی کا ایک شعبہ ہے جس سے رزق حلال کماتا ہے، یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ آپ بچوں کو جیسے انگریزی سکھاتے ہیں ویسے عربی کیوں نہیں سکھاتے؟ آپ کے بچے قرآن پاک کا ترجمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا یہ اس قرآن کا حق نہیں ہے کہ ہمارے بچے اسے پڑھتے اور سمجھتے۔

اے ماں! تو دین و دنیا برابر برابر کے راگ الاپتی ہے، اے والد! تو دین و دنیا برابر برابر کے فلسفے کو پسند کرتا ہے مگر تیرے پانچ بچے ہیں اور پانچوں کے پانچوں کالج جاتے ہیں۔ تیرا ایک بچہ بھی ایسا نہیں جو کبھی حدیث پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا، کبھی تفسیر پڑھنے کیلئے مدرسے جاتا۔ اے ماں! تیرے دل میں یہ حسرت کیوں نہیں پیدا ہوتی کہ تیرا بھی کوئی ایسا بچہ ہوتا جو دامن میں قرآن کو لے کر بیٹھتا اور جھولی پھیلا کر محبوب ﷺ کے فرامین کو یاد کرتا اور دعائیں مانگتا۔ تیرا کوئی بچہ تو تیری شفاعت کرنے کے قابل ہوتا۔ احادیث مبارکہ میں حافظ کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا،

عالم کی شفاعت کے بارے میں بتایا گیا۔ روز محشر یہ ڈاکٹر اور انجینئر تو شفاعت نہیں کر پائیں گے۔ کاش! کہ تیرا کوئی ایسا چہ ہوتا جس کی وجہ سے پروردگار عالم تیرے سر پر نور کا تاج بروز محشر پہناتے۔ اس لئے تو بھی کسی بچے کو عالم بنا لیتی۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بس اتنی بات ہے کہ بچے دنیا داری میں اچھے دنیا دار بن جاتے ہیں لہذا ماں باپ کہتے ہیں کہ جی ہمارا بڑا چہ بڑی اچھی پوسٹ پر ہے اور بڑی اچھی سہولیات ہیں مگر بچے کے لئے تھوڑی سی دعا کر دیں، بس ذرا سا بے دین بن گیا ہے۔ وَيَا اَسْفٰی ایسی باتیں زبان پر کیوں آتی ہیں؟ اس لئے کہ ہماری نظر میں دین کی وقعت اتنی گر چکی ہے کہ ہم احساس نہیں کرتے کہ ان چوں کو دنیا کا علم تو پڑھائیں گے مگر اس کے ساتھ ساتھ اور کیا کچھ پائیں گے۔ اس لئے اکبر نے کہا تھا

ہم سمجھتے تھے لائیگی فراغت تعلیم  
کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

اگر الحاد (کفر) بھی ساتھ چپکے چپکے خود ہی آگیا تو پھر تم کیا کرو گے؟ لہذا ہمیں چاہئے کہ ان انگریزی پڑھے لکھے طلباء کو ہم ان مدارس کے اندر تھوڑے سے وقت کیلئے بھیجیں۔ جو جتنا علم حاصل کر سکتا ہے اتنا کرے۔ قرآن کی تعلیم پاسکتا ہے تو وہ پائے تاکہ یہ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کر سکیں۔ یہ دینی اداروں سے غیر مانوس کا نتیجہ ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ جب بیٹھتے ہیں اور علماء کا تذکرہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ان علماء نے اپنی آدمی زندگی تباہ کر لی۔ یہ کیسے کمائیں گے، انہوں نے تو اپنی آدمی زندگی تباہ کر لی۔

ایک دلچسپ کہانی :-

مجھے یہاں ایک کہانی یاد آئی ہے جو ہم انگلش کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک جگہ مختلف جزیرے تھے۔ ان میں سے ایک جزیرے پر آبادی تھی مگر دوسرے

جزیرے میں سکول بنایا گیا تھا۔ لہذا بچے سکول جانے کے لئے کسی ملاح کے ساتھ اس کی کشتی میں بیٹھ کر دوسرے جزیرے پر جایا کرتے تھے۔

ایک دن ان طلباء کے دل میں شرارت پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس ملاح کو ذرا چھیڑیں تو سہی۔ لہذا ان میں سے ایک آگے بڑھا اور ملاح سے پوچھا، جناب! کیا آپ کو ریاضی آتی ہے؟ اس نے جواب دیا، مجھے تو نہیں آتی۔ تو وہ کہنے لگا،

**Then you have wasted half of your life**

تم نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی اور آپس میں ہنسنے لگ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو سائیکالوجی (نفسیات) کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، جی مجھے تو نہیں پتہ۔ وہ پھر ہنسنے لگ گئے۔ کہنے لگے، **Then you**

**have wasted half of your life.**

کردی۔ اس کے بعد تیسرا آگے بڑھا اور کہنے لگا، جناب! آپ کو فزکس اور کیمسٹری کا پتہ ہے؟ اس نے کہا، مجھے تو بالکل نہیں پتہ۔ وہ کہنے لگے **Then you have**

**wasted half of your life** تو نے تو اپنی آدھی زندگی تباہ کر لی۔ وہ اسی

طرح کی باتوں سے اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس دوران بارش شروع ہو گئی۔ سمندر

کے اندر تلاطم پیدا ہوا **High Tide** (مد و جزر) کا وقت آ گیا۔ کشتی ہچکولے

کھانے لگی۔ اب ملاح کی باری تھی چنانچہ اس نے کہا، چو! بتاؤ کیا تمہیں تیرنا آتا ہے؟

کہنے لگی کہ نہیں، ہمیں تیرنا تو نہیں آتا۔ وہ کہنے لگا، **Then you have**

**wasted whole of your life.** پھر تو تم نے اپنی پوری زندگی تباہ کر لی

ہے۔ یعنی ڈوب جاؤ گے۔

قیامت کے دن بالکل اسی طرح ہوگا۔ آج تو آپ علماء سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنی



آدھی زندگی تباہ کر لی ہے اگر روز محشر جا کر پتہ چلا کہ ہم نے تو اپنی پوری زندگی تباہ کر لی تھی تو سوچئے تو سہی کہ وہاں جا کر کیا نئے گا۔ لہذا جائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ پانچ فیصد علماء جو دین کی حفاظت پر مامور ہیں، جنہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، جنہوں نے ہر طرح کے فتنوں سے طوفانوں سے، سیلابوں سے دین کی حفاظت کرنی ہے ہم ان کو سائنس میں گھسیٹنے کی جائے ان %95 سے کہیں کہ جناب تم اتنا دنیاوی علم پڑھ چکے ہو، اب کورے مت رہو دین کا کچھ علم تو تم بھی حاصل کر لو۔

قوم کا سرمایہ :-

وہ بچے جو انگریزی سکولوں میں جاتے ہیں وہ یقیناً قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، وہ قوم کی کریم ہوتی ہے۔ وہ Talented بچے ہوتے ہیں۔ Intelegentia of nation۔ ان کو چاہئے کہ وہ ابھی سے ارادہ کر لیں کہ جب ہم دین کو پڑھیں گے تو صحیح سمجھ کر پڑھیں گے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی کریں گے۔ مدارس اور سکولوں کی کشمکش کے درمیان حق بات تو یہی ہے کہ ہم اپنے سکولوں کے بچوں کو اس طرف متوجہ کریں کہ مدارس میں جانا بھی تمہاری ضرورت ہے۔ جب تک تم دین نہیں سیکھو گے تمہارا ایمان محفوظ نہیں ہوگا۔

فتنوں کا توڑ :-

اللہ رب العزت جزائے خیر دے ان علماء کو کہ انہوں نے ہر حال میں دین کو تھامے رکھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ انسان اپنے لئے تو غربت برداشت کر لیتا ہے مگر اپنی اولاد کیلئے غربت برداشت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آپ سوچئے تو سہی کہ انگریز کے دور میں دین کس نے پڑھا؟ علماء نے پڑھا۔ پھر انہوں نے اپنی اولادوں کو

پڑھایا۔ ہم تو مٹنے رہے۔ ہم تو دفتروں کے چکر لگاتے رہے۔ ہم تو دنیا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ بنے رہے۔ مگر یہ علماء ہی تھے جنہوں نے غربت کو برداشت کیا، تھوڑی دنیا پر قناعت اختیار کی، چٹائیوں پر بیٹھنا پسند کیا، حجروں میں رہنا پسند کر لیا مگر دین پر ضرب نہ لگنے دی۔ جب انگریز نے دین کے اندر فتنہ شامل کرنے کی کوشش کی تو یہ کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ہر فتنے کے سامنے وہ سیدہ پلائی دیوار بن کر سامنے آئے۔ وہ یہودیت کا فتنہ تھا یا صیہونیت کا یا مرزائیت کا فتنہ تھا یا کسی پرویزیت کا۔ یہی علماء ہی تھے جو ہر فتنے کے سر پر ضرب مومن لگاتے رہے اور بالآخر ان فتنوں کو اپنی موت مر جانا پڑا۔ اس طرح کفر کو ہر موقعہ پر ذلت اٹھانا پڑی۔

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تنگی کا ناچ  
جس طرح جلتے توے پہ ناچ کرتا ہے سپند  
ان میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن  
سب کے دل تھے درد مند اور سب کی فطرت ارجمند

یہ درد مند دل رکھنے والے، یہ ارجمند فطرت رکھنے والے علماء ہی تھے جنہوں نے ہر میدان میں کفر کے دانت کھٹے کئے اور اسلام کا بول بالا کیا۔ انہی کے دم قدم سے یہ علم ہم تک پہنچا بلکہ قیامت تک انہی علماء کے دم قدم سے دین پہنچے گا۔

حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا جب دجال لوگوں کو اپنے فتنے کی وجہ سے دین اسلام سے نکال کر کفر کے اندر داخل کرنے والا ہوگا۔ وہاں کون ہوگا؟ کوئی انگریزی خواں ہوگا جو اس دجال کے مقابلے کیلئے کھڑا ہوگا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا جب وہ دجال مدینہ طیبہ جانے لگے گا وہاں پر فرشتوں کے پہرے کی وجہ سے داخل تو نہیں ہو سکے گا تاہم ایک زلزلہ آئے گا اور کمزور ایمان والوں میں سے ہر ایک آدمی باہر نکلے

گا اور اس کا لقمہ بن جائے گا۔ ایک مومن بھی ہوگا جو باہر نکلے گا کہ میں دجال کو دیکھوں تو سہی۔ دجال اسے بلائے گا۔ اور کہے گا کہ تو میرے خدا ہونے کی تصدیق کر لے۔ وہ کہے گا نہیں تو پکا کافر ہے۔ دجال کہے گا، کہ اچھا میں تمہیں مار سکتا ہوں۔ وہ کہے گا، مار کے دکھا۔ دجال اسے تھوڑی دیر کے لئے مارے گا، اسے موت آجائے گی اور اس کے بعد پھر اسے زندہ کرے گا۔ جب مارنے کے بعد زندہ کرے گا تو دجال کو دوبارہ مارنے پر قدرت نہیں ہوگی۔ وہ عالم اسے جانتے ہوں گے پس کہیں گے کہ اب مجھے مار کے دکھاؤ۔ دجال شرمندہ اور ذلیل ہوگا۔

گناہوں کی آگ :-

یہ علماء ہی ہیں جو آج گناہوں کی آگ کو مچھانے کیلئے پانی کی بالٹی ڈالتے ہیں، قطرہ قطرہ پانی برسا رہے ہیں کہ کسی طرح یہ بے راہ روی کی آگ دور ہو جائے۔ اگرچہ مکمل طور پر تو دور نہیں ہوگی تاہم ہر آدمی اپنا اپنا اجر تو پالے گا۔

چڑیا کی وفاداری :-

حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اتنی بڑی آگ تھی کہ وہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ اس وقت ایک چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے کر آتی اور حضرت ابراہیمؑ کی آگ کے اوپر پانی کا ایک قطرہ ڈالتی تھی۔ کسی دوسرے پرندے نے پوچھا کہ تیرے ایک قطرہ پانی ڈالنے سے کیا آگ چھ جائے گی۔ وہ کہنے لگی یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ آگ تو نہیں چھے گی مگر میں نے حضرت ابراہیمؑ کی دوستی کا حق تو نبھانا ہے..... یہ چھوٹے چھوٹے مدارس اسی چڑیا کی طرح ہیں جو اپنی چونچ میں امن و سکون اور اللہ کی رحمت کا ایک ایک قطرہ لے کر معصیت کی آگ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

## دنیا میں علماء کی ضرورت :-

ان مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔ اہل مدارس کو محبت کی نظر سے دیکھا کریں۔ جو ان مدارس کی خدمت کر رہے ہیں ان سے محبت رکھا کریں۔ جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو یہی حضرات آپ کے کانوں میں اللہ کا نام پہنچاتے ہیں۔ جب آپ زندگی کیلئے کوئی ساتھی تلاش کرتے ہیں تو یہی خطبہ پڑھ کر اسے آپ کیلئے حلال بناتے ہیں۔ جب اس دنیا سے جانا ہوتا ہے تب بھی یہی علماء آپ کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں۔ اور پھر آپ کو دفن کر دیا جاتا ہے۔

## جنت میں علماء کی ضرورت :-

یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ قوم علماء کی فقط یہاں ہی حاجتمند نہیں ہوگی بلکہ علماء کی ضرورت تو جنت میں بھی پڑے گی۔ عام آدمی سوچے گا کہ جنت میں علماء کی ضرورت کیسے پڑ سکتی ہے۔ سنئے کہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں ہر نعمت عطا فرمادیں گے حتیٰ کہ وہ ان نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ کئی سالوں کا عرصہ گزر جائے گا۔ بالآخر ایک وقت آئے گا جب رب کریم فرمائیں گے کہ اے جنتیو! کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ جنتی کہیں گے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں کہ جس کی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ ان کے ذہن میں کچھ نہیں آئے گا۔ بالآخر رب کریم ان سے فرمائیں گے کہ اچھا تم اپنے علماء سے جا کر پوچھو کہ کوئی اور بھی ایسی چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنتی اپنے علماء سے رجوع کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کیا کوئی اور چیز بھی ہے؟ تو علماء کہیں گے کہ ہاں، نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ جنت میں جہاں باقی نعمتیں ملیں گی وہاں ہمیں اپنے پروردگار کا دیدار بھی نصیب ہوگا۔ ابھی تک دیدار نہیں ملا لہذا تم

پروردگار سے دیدار مانگو۔ سب جنتی دیدار مانگیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ وہ جماعت ہے کہ آپ جس کا احسان جنت میں بھی جا کر نہیں اتار پائیں گے۔

اللہ رب العزت ان عر فی پڑھنے والے طلباء اور علماء کے ساتھ دلی محبت عطا فرمادے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اءِ اِيْمَانِ وَالْوَا اِنِّ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اِكْرَمَ اللّٰهَ تَعَالٰى كى مَدَد كِرُو كِى يَنْصُرُكُمْ تُوُوهُ تَمَهَارى مَدَد كِرِى كَاوْ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ** اور وہ تمہارے قدموں کو جمادے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دامت، درہمے، سخن ہر طرح سے ان حضرات کی تائید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم ان حضرات کی خدمت بھی کریں اور احسان بھی ان کا جانیں کیونکہ یہ بلند و بالا کام کر رہے ہیں۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے کہ وہ اپنی اولاد کو اس دین کے حاصل کرنے کیلئے وقف کرے تو یقیناً وہ ماں باپ مبارکباد کے لائق ہوں گے سبحان اللہ آج جب چھوٹے چھوٹے بچے حفظ کرنے والے آرہے تھے اور ہم ان کے سروں پر پگڑیاں باندھ رہے تھے تو میرے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ میرے مولا! آج تو ہم کپڑے کا تاج پہنا رہے ہیں، کل یہ تیرے پاس آئیں گے، آپ تو ان کو نور کا تاج پہنائیں گے۔ یہ بچے کتنے خوش نصیب ہوں گے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اولادوں کو بھی دین حاصل کرنے کی ترغیب دیں تاکہ اللہ رب العزت ہم انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کو بھی دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمادے

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

